اَلاِخوانُ المسلمُون

تاریخ — دعوت — خدمات

(خلیل حامدی)

قیامِ تحریک سے پہلے کے حالات پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے ساتھ ہی مصر شدید سیاسی جھٹکوں سے دوچار ہوا۔ ملک کے اندر بوقلموں ملکی اور ملّی مسائل نے سر اٹھا لیا۔ تورانی قومیّت کے علمبردار ترکوں نے جب خلافت کی تنسیخ کا اعلان کیا تو اس کے ردِ عمل میں عربوں کے اندر قومیّت اور وطنیت کے رجحانات اُبھر آئے۔ اپنی تاریخ، سیاسی حیثیت اور ازہر کے بین الملّی مقام اور بعض دوسرے اسباب کی بدولت مصر کو عرب دنیا کی قیادت حاصل رہی ہے، اس لیے مصر میں قومیّت اور وطنیت کے نعرہ نے جب جنم لیا تو آناً فاناً تمام عرب ملکوں میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی مختلف وطنی تحریکوں نے پر پُرزے نکالے۔ سعد زغلول (متوفی ۱۹۲۷ء) کے نعرۂ "الدین للہ والوطن للجمیع" کو فروغ ہوا۔ مصطفیٰ نحاس پاشا (متوفی ۱۹۶۴ء) کی قیادت میں وفد پارٹی کو عروج حاصل ہوا۔ وطنی تحریک نے وطن پرستی کی آڑ میں اور ترکوں کی تنسیخِ خلافت کو بہانہ بنا کر الحاد، زندقہ، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو ہوا دی۔ نتیجۃً اسلام اور تجدد (یا صحیح لفظوں میں مغرب پرستی) کی طویل اور دُور رس نتائج کی حامل کشمکش کا آغاز ہوا۔ تجدد پرستوں کا محاذ مضبوط تھا۔ کیونکہ حکومت اور پریس کی طاقت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے مقابلے میں اسلامی روایات کے علمبردار نہ صرف کمزور تھے بلکہ جو تھے وہ بھی خود اعتمادی سے محروم تھے۔ مزید برآں سیاسی پارٹیوں کی باہمی آویزش نے بھی ملک کی فضا کو مکدر کر رکھا تھا۔ وفد پارٹی برسرِ اقتدار آتی تو دستور پارٹی کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگ جاتی اور دستور پارٹی کی حکومت بنتی تو وہ وفد سے ملک کی تطہیر کو موضوع بنا لیتی۔

اسی زمانے میں علی عبدالرزاق کی رسوائے زمانہ کتاب الاسلام واصول الحکم (اسلام اور اصول حکمرانی) شائع ہوئی۔ اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے "دین کا سیاست اور ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے" اور "خلافت کے ادارہ کو سیاسی اختیارات دینے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں"۔ طٰہٰ حسین کی کتاب فی الشعر الجاھلی بھی اسی دورِ کشمکش کی پیداوار ہے جس میں خود قرآن کے بیانات کے بارے میں شکوک و شبہات اٹھائے گئے ہیں۔ قاسم امین کی کتاب تحریر المراۃ میں عورتوں کے لیے ان آزادیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے جو مغرب میں عورت کو حاصل ہیں۔ المجمع الفکری کا قیام عمل میں آیا، تاکہ فکر و نظر کی آزادی کے نام سے اسلام بلکہ تمام ادیان پر حملے کیے جا سکیں۔ ہفت روزہ السیاسۃ تجدد پسندوں کا آرگن تھا اور لاگ لپیٹ کے بغیر تجدد، فرعونی تہذیب کے احیاء اور مغرب سے وابستگی کی دعوت دیتا تھا۔ دستور پارٹی کے با اثر لیڈر عدلی یکن، عبدالخالق ثروت، اسماعیل صدقی، محمد محمود اور لطفی السید اس کے سرپرست تھے اور اسلام پر اس کے حملوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ امین رافعی کا الاخبار اسلامی مطالبات کی تائید کرتا رہا، مگر اپنے مجاہد ایڈیٹر کی وفات (۱۹۲۶ء) کے بعد یہ بھی ابدی نیند سو گیا۔ اب میدانِ صحافت میں صرف محب الدین الخطیب کا ہفت روزہ الفتح رہ گیا تھا مگر نقار خانے میں اس طوطی کی آواز کسے سنائی دیتی۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا دین کا محاذ کمزور اور منفی نوعیت کا تھا۔ سید جمال الدین افغانی (م ۱۸۹۷ء) کے بعد محمد عبدہٗ نے ان کے مشن کو سنبھالا۔ مگر شیخ محمد عبدہٗ سیاست کے میدان میں بالکل ناکام رہے۔ ویسے بھی اپنے استاذ سید جمال الدین افغانی کے برعکس وہ یورپ سے مرعوب تھے۔ ان کے شاگردوں میں سید رشید رضا (م ۱۹۳۳ء) کے سوا کوئی مردِ مجاہد نہ نکلا۔ رشید رضا کا دائرہ عمل گو کہ محدود تھا اور وہ ترکوں اور عربوں کی کشمکش میں عرب قوم پرستوں کے ہم نوا تھے، مگر ان کے بعد تو رہی سہی آواز بھی دب گئی۔ اور مصطفیٰ صادق رافعی کو چھوڑ کر اس طوفانِ اباحیت و آوارگی کا خود اعتمادی سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

حالات اس درجہ بدتر ہو گئے کہ نہ صرف مصر میں بلکہ اکثر عرب ملکوں میں فرعونیت و نمرودیت کا

کلمہ پڑھا جانے لگا۔ خاندانِ نبوت کے گل سرسبد امیر فیصل بن حسین نے کہا "ان العرب کانوا عربًا قبل محمد و موسیٰ" (عرب محمد اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی عرب تھے)۔ دمشق یونیورسٹی میں علانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھلم کھلا اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانِ لعن دراز کی جانے لگی۔ سیاسی مجلسوں میں اسلام کا نام لینا تکو بن جانے کے مترادف بن گیا۔ پارکوں اور باغوں میں اچھے خاصے مسلمان نماز پڑھتے ہوئے شرمانے لگے۔ یہاں تک نوبت پہنچ جانے کے بعد غیرتِ حق کو جنبش ہوئی اور اسماعیلیہ کے ایک نوجوان سے مشیتِ ایزدی نے وہ کام کرایا جو بڑے بڑے علماء و مشائخ سے بھی نہ ہو سکا۔

حسن البنا: شخصیت و حالات ہمارا اشارہ اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البنا کی طرف ہے۔ حسن البنا ۱۹۰۶ء میں اسماعیلیہ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول خالص اسلامی تھا۔ ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا کا پیشہ اگرچہ گھڑی سازی تھا، مگر وہ خود بہت بڑے عالم تھے، فقہ و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے، قرآن کے حافظ تھے[1]۔ عبدالرحمٰن البنا نے اپنے ہونہار صاحبزادے کو بچپن میں قرآن حفظ کروا دیا اور اُن کی توجہ دینی علوم کی طرف مبذول کرا دی۔ حسن البنا گھریلو تعلیم و تربیت کے ساتھ اسماعیلیہ کے مدرسۃ الرشاد الدینیہ میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ اگرچہ حکومت کے زیرِ انتظام تھا مگر اس میں دینی تعلیم و تربیت پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ ۱۴ برس کی عمر (۱۹۲۰ء) میں دمنہور

---

[1] شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا نے متعدد کتبِ حدیث کی شرحیں لکھی ہیں اور پرانی کتابوں کو نئے سرے سے مدون کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی مُسنَد کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کیا ہے، ہر حدیث کی تخریج کی ہے، رجال و سند پر کلام کیا ہے اور احادیث پر تشریحی حواشی لکھے ہیں۔ کتاب کا نام ہے "الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی"۔ اور شرح کا نام ہے "بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی"۔ اسی طرح ابوداؤد الطیالسی کی مُسنَد کی "منحۃ المعبود" کے نام سے تبویب و تشریح کی ہے۔ امام شافعی کی مُسند اور سنن کو "بدائع المُسنَد" کے نام سے نئے سرے سے جمع و ترتیب سے آراستہ کیا ہے۔ ایک اکیڈمی کا کام عبدالرحمٰن البنا کی تنہا ذات نے انجام دیا ہے۔ ان کی وفات ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔

کے ٹیچرز ٹریننگ اسکول میں داخل ہوگئے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے برعکس مذہبی فرائض کے سخت پابند رہے۔ اس کے بعد انہیں ایک تعلیمی ادارے میں معلمی کے فرائض سونپے گئے لیکن انہوں نے تعلیم کی تکمیل کے لیے قاہرہ کا رخ کیا، اور دارالعلوم (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) میں داخلہ لے لیا۔ دارالعلوم اُس زمانے میں چھوٹا ازہر کہلاتا تھا۔ جدید علوم مثلاً تربیت، علم النفس، فلسفہ، منطق، سیاسیات، اجتماع اور ریاضی کے ساتھ ساتھ لسانیات پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ طریقۂ تدریس جدید طرز کے مطابق تھا۔ ۱۹۲۷ء میں حسن البنا نے دارالعلوم سے گریجویشن کی۔ اس امتحان میں اپنے ساتھیوں میں اوّل آئے اور پورے مصر کے اندر انہوں نے پانچویں پوزیشن حاصل کی۔ فراغت کے بعد انہیں وزارتِ تعلیم کی طرف سے اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ (گورنمنٹ اسکول) میں مدرس مقرر کیا گیا اور وہ اسماعیلیہ چلے گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ۱۹۳۳ء میں انہیں اسماعیلیہ سے قاہرہ تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے وہ قاہرہ ہی میں رہے۔ ۱۹۴۶ء میں وزارتِ تعلیم کی ملازمت سے مستعفی ہوگئے اور یکسوئی کے ساتھ دعوت کی توسیع و تنظیم میں لگ گئے۔

حسن البنا معلّم سے زیادہ داعی تھے۔ مشیتِ ایزدی اُن سے جو کام لینا چاہتی تھی گھر کا ماحول اور تعلیم اُن کو اسی کے لیے تیار کر رہے تھے۔ ازہر کی تعلیم کے بجائے دارالعلوم کا تعلیمی نظام ان کے داعیانہ پہلو کو اُجاگر کرنے میں خاص طور پر ممد اور مفید ثابت ہوا۔ ماحول کا بگاڑ، طوفانِ الحاد و دہریت، اور ازہری مصلحین کی نارسا مساعی اُن کے اندر اضطراب و قلق کے سمندر متلاطم کر رہی تھیں۔ قدرت نے انہیں بڑی ہی باوقار اور مرعوب کن شخصیت عطا کی تھی۔ جسے خرابیٔ حالات نے سیماب وش بنا دیا تھا۔ انہیں صحت مند سیاسی اور اجتماعی شعور سے نہ صرف بہرۂ وافر ملا تھا بلکہ داعی کی جملہ خصوصیات اور صلاحیتیں موجود تھیں۔ چنانچہ وہ تنہا اُٹھے مگر ایک اُمّت کی قوت بن کر۔ اسلام کے خزاں رسیدہ گلستان کو مدتِ قلیل میں ہرا بھرا کر دیا۔ پانی سے سیراب کرنے کے بجائے خون سے سیراب کرنے کی سنت کو زندہ کیا۔ اور عاشقانِ پاک طینت کی ایک ایسی جماعت کھڑی کر دی جو ان کی تجویز کردہ "راہِ جنون" پر پُوری شانِ جذب و وارفتگی کے ساتھ گامزن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حسن البنّا کو دعوت و اصلاح اور جہاد و نصیحت کا جو جذبہ ودیعت کیا تھا وہ زندگی کے ہر مرحلہ میں ظہور پذیر ہوتا رہا۔ "الاخوان المسلمون" (مسلمان بھائی) کے نام سے باقاعدہ ایک جماعت کی تشکیل مارچ ۱۹۲۸ء کو اسماعیلیہ میں ہوئی مگر اس تشکیل سے قبل حسن البنّا کی زندگی بتا رہی تھی کہ یہ شخصیت نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عرب پر اثر انداز ہونے والی ہے۔

دعوتِ اسلامی سے ان کی لگن حسن البنّا جس زمانہ میں مدرسۃ الرشاد الدینیہ کے معصوم طالب علم تھے۔ ان کا گزر ایک دن محمودیہ کی ندی پر ہوا۔ کنارے کے پاس ایک بادبانی کشتی کھڑی دیکھی جس پر لکڑی کی ایک عُریاں مورتی آویزاں تھی۔ حسن البنّا اس منظر کو دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ فوراً مقامی پولیس چوکی میں گئے اور پولیس افسر کے سامنے اس مورتی کے خلاف احتجاج کیا۔ پولیس افسر معصوم طالب علم کی غیرت ایمانی سے متاثر ہو کر فوراً ملاح کے پاس گیا اور مورتی کو مستول سے اُتروا دیا۔

اسی زمانے میں مدرسۃ الرشاد الدینیہ میں طلبہ نے "جمعیت اخلاق ادبیہ" کے نام سے ایک بزم قائم کی اور اس کے صدر حسن البنا منتخب ہوئے۔ مگر نوخیز داعی کی امنگیں بھلا یہ بزم کیا پوری کر سکتی تھی۔ اس نے مدرسہ کی حدود سے باہر ایک اور انجمن قائم کی جس کا نام تھا جمعیت منع المحرمات (انجمن انسداد محرمات)۔ یہ جمعیت لوگوں کو خطوط کے ذریعہ سے نیکی کی تلقین کرتی تھی۔ جس شخص کے بارے میں اس جمعیت کو یہ خبر ملتی کہ وہ محرمات کا ارتکاب کرتا ہے یا فرائض میں تساہل برتتا ہے جمعیت کی طرف سے گمنام طریقے سے اُسے ایک خط ارسال کر دیا جاتا جس میں اُسے خدا و آخرت کا خوف دلایا جاتا۔

دمنہور کے ٹیچرز ٹریننگ اسکول میں جب حسن البنا پہنچے تو ان کا تعارف طریقہ حصافیہ کے شیخ سے ہوا۔ طریقہ حصافیہ کے پیرو عشاء کی نماز کے بعد ذکر اللہ کی مجلس منعقد کرتے تھے۔ حسن البنّا ان روحانی مجلسوں سے متاثر ہوئے اور اس سے ان کے جذبۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مزید غذا ملی۔ قدرت نے یوں ان کے روحانی پہلو کی تربیت کا خاص انتظام فرما دیا۔ طریقہ حصافیہ اگرچہ تصوّف کا ایک سلسلہ تھا مگر حسن البنّا نے اس طریقہ سے صرف قلبی غذا اخذ کی کیونکہ ان کی نگاہ میں

دعوت کو کسی خاص طریقہ میں محدود ہونے کے بجائے عام ہونا چاہیے اور علم اور تربیت اور جہاد پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسی زمانے میں ایک اور صوفی تاجر سے ان کی راہ و رسم بڑھی۔ یہ تاجر اسکول کے لڑکوں کو ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ قبور کی زیارت کے لیے لے جاتا اور وہاں انہیں صلحاء کی حکایات و احوال سناتا جس سے ان کے دل گداز اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور ان کے اندر خدا اور رسول کی اطاعت کا جوش و جذبہ امڈ آتا۔ حصافی اخوان سے بھی حسن البنّا کے روابط روز بروز مضبوط ہوتے گئے۔ حسن البنّا نے ان کو جمع کر کے ایک انجمن قائم کی جس کا نام تھا جمعیت حصافیہ خیریہ (حصافی بھائیوں کی رفاہی انجمن) حسن البنّا اس انجمن کے سکرٹری منتخب ہوئے۔ اس انجمن کے دو مقصد تھے۔ ایک اخلاق فاضلہ کی دعوت اور منکرات و محرمات کا سدباب، دوسرا عیسائی مشنریوں کا سدباب، جو علاج، خانہ داری کی تعلیم اور یتیم خانوں کی آڑ میں عیسائیت پھیلا رہے تھے۔ حسن البنّا کی عمر اس وقت ۱۴ سال تھی۔

قاہرہ میں ابتدائی کوششیں جب قاہرہ گئے اور دارالعلوم میں داخل ہوئے تو ایک طرف خارجی ماحول اور دوسری طرف داخلی احساسات نے انہیں بے چین کر دیا۔ "جمعیت مکارم اخلاق" میں رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے جو اس وقت قاہرہ کے فساد زدہ ماحول میں واحد اصلاحی انجمن تھی۔ اس جمعیت کے درسوں میں وہ پابندی سے شریک ہوتے رہے لیکن قاہرہ بے راہ روی، فسادِ اخلاق اور مغربیت میں جس بری طرح ڈوبا جا رہا تھا حسن البنّا کی نظر میں اس کا تدارک مسجد کے وعظوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے سوچا "جو لوگ مسجد میں نہیں آتے دراصل وہ وعظ و ارشاد کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان میں دینی اور اخلاقی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے۔" اس غرض کے لیے حسن البنّا نے دارالعلوم اور ازہر کے طلبہ پر مشتمل ایک گروہ تیار کیا اور انہیں قہوہ خانوں میں (جہاں سینکڑوں لوگ روزانہ شام کو تفریح کے لیے جمع ہوتے ہیں) اور پبلک اجتماعات میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کی طرف راغب کیا۔ یہ گروہ جس میں حسن البنّا خود بھی شامل تھے، قہوہ خانوں میں جا کر قرآن اور حدیث کے درس دیتا اور نرد بازی، قہوہ نوشی، شیشہ کشی، اور قصہ خوانی کے بجائے جمہور کو دین کے تقاضوں کی جانب متوجہ کرتا۔ اس طریقۂ وعظ پر مشائخ کی طرف سے بار بار انگشت نمائی کی گئی مگر یہ

کامیاب رہا اور شہروں سے گزر کر قصبوں اور دیہاتوں میں بھی اس کا تجربہ کیا گیا۔ اسی گروہ کے اندر سے ایک کمیٹی وجود میں آگئی جو دعوت اسلامی کی اشاعت کی نگراں قرار پائی۔ گرمائی تعطیلات میں یہ گروہ غیر معمولی طور پر سرگرم ہو جاتا اور شہر اور دیہات اس کی جولاں گاہ بن جاتے۔ حسن البنّا اور ان کے ساتھیوں کو اس طریقۂ دعوت سے دو چیزیں حاصل ہوئیں۔ خود اعتمادی اور عوامی خطابت کا کامیاب انداز۔

لیکن، کمالی انقلاب کے بعد مصر میں الحاد و اباحیت کی جو وبا پھوٹ پڑی تھی اور جس طرح ہر پیر و جوان اس کی لپیٹ میں آ رہا تھا اُس کے سامنے یہ محدود و ناتواں "واویلا" بے اثر تھا۔ حریت اور جمہوریت کی آڑ میں ایسے اخبارات و رسائل اور ایسا لٹریچر بازار میں آنے لگا جس کا مقصد دینی اثرات کو کمزور کرنا اور عوام کے دل سے دین کے احترام کو ختم کرنا تھا تاکہ "حریت پسندوں کے دعوے کے مطابق ملک حقیقی طور پر فکر اور عمل کی آزادی سے بہرہ ور ہو سکے"۔ حسن البنا کی نظر میں "حالات کسی بڑے اور ٹھوس کام کا تقاضا کر رہے تھے"۔ چنانچہ انہوں نے علماء اور مشائخ کو اس کام کی طرف توجہ دلانی شروع کی اور انہیں ایک جماعت کی شکل میں میدان میں اترنے پر آمادہ کیا۔ سید رشید رضا مرحوم مدیر مجلہ المنار سے ملے۔ المکتبۃ السلفیہ کے مالک محب الدین الخطیب سے ربط قائم کیا۔ ازہر کے نامور عالم دین شیخ دجوی سے دردِ دل بیان کیا۔ شیخ محمد خضر حسین شیخ الازہر کے آگے حالات کی شکایت کی۔ فرید وجدی سے تبادلۂ خیالات کیا۔ یہ حضرات اس وقت مصر کے چوٹی کے اہلِ علم تھے۔ حسن البنّا ایک ایک سے ملے اور انہیں اسلام کے لیے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے کی دعوت دی۔ ان کی اس تگ و تاز کے نتیجے میں ان حلقوں میں ہلچل پیدا ہو گئی اور پہلے ہفت روزہ الفتح کا اجراء ہوا اور پھر "جمعیت الشبان المسلمین" کی تاسیس ہوئی۔ الفتح نے محب الدین الخطیب کی زیرِ ادارت ملحدانہ افکار کے صنم کدے میں جہاد کا نعرہ بلند کیا اور جمعیت الشبان المسلمین نے ڈاکٹر عبدالحمید سعید کی قیادت میں نوجوان نسل کو بے راہ روی سے بچانے کا بیڑہ اٹھایا۔ حسن البنّا جمعیت الشبان المسلمین میں شامل ہو گئے بلکہ بانیوں میں شمار ہوئے۔ اس وقت حسن البنا دار العلوم کے آخری سال کے طالب علم تھے۔ دار العلوم کی طرف سے انہیں تھیسس کا جو موضوع دیا گیا اُس کا

عنوان تھا: "تعلیم کے بعد آپ کیا کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے کیا وسائل اختیار کریں گے۔" حسن البنا نے اس کے جواب میں لکھا: "میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں، دن کو اور سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دوں گا، اور راتوں کو اور چھٹیوں کے ایام میں اُن کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے، اور زندگی کی مسرتیں کیسے دستیاب ہوں گی۔ اس غرض کے لیے ہر وہ وسیلہ اختیار کروں گا جو میرے بس میں ہوگا۔ تقریر سے، گفتگو سے، تالیف و تصنیف سے، کوچہ گردی اور بادیہ پیمائی سے، الغرض ہر مؤثر ہتھیار سے مدد لوں گا۔" یہ ہیں اُس نوجوان کے جذبات، جو قعرِ دریا میں اُترا ہوا ہے اور پھر نہ صرف اپنے دامن کو تر ہونے سے بچانے کا عزم رکھتا ہے بلکہ دوسروں کے دامن کی بھی اُسے فکر ہے۔

اسماعیلیہ میں واپسی اور تاسیسِ جماعت ۱۹۲۷ء میں حسن البنا نے دار العلوم کا ڈپلوما لیا اور اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ میں مدرس مقرر کر دیے گئے۔ اسماعیلیہ انگریز کی چھاؤنی تھی۔ نہر سویز انگریز فوجوں کے قبضہ میں تھی۔ سویز کی کمپنی نے جس پر انگریزوں اور فرانس کی اجارہ داری تھی، مصر کی اقتصادی شاہ رگ کو دبا رکھا تھا۔ مسلمان مذہبی گروہوں میں منقسم تھے۔ عوام الناس مذہبی جھگڑوں سے بیزار ہو کر مسجدوں کے بجائے قہوہ خانوں کا رُخ کر چکے تھے۔ حسن البنا نے اسماعیلیہ کے تین قہوہ خانوں کو منتخب کر لیا، تقریروں اور گفتگوؤں کے ذریعہ سے لوگوں کو جھنجھوڑا اور ان میں فریضۂ اقامتِ دین کا احساس پیدا کیا۔

مارچ ۱۹۲۸ء کو اسماعیلیہ کے معزز اور باشعور لوگوں کی ایک جماعت حسن البنا کے گھر پر جمع ہوئی۔ یہ جماعت چھ افراد پر مشتمل تھی جن کے نام یہ ہیں: حافظ عبد الحمید، احمد الحصری، فؤاد ابراہیم، عبد الرحمٰن حسب اللہ، اسماعیل عز، زکی المغربی۔ یہ لوگ کام کرنے کا عزم لے کر آئے تھے گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے بعد انہوں نے حسن البنا کو کام کی نگرانی، قیادت اور رہنمائی کا فرض سونپا اور اسلام اور مسلمانوں کے بقاء کے لیے ہر ممکن قربانی دینے کی بیعت ہوئی۔ اس مختصر سی تنظیم کا نام کیا ہو؟ ——— حسن البنا نے برجستہ کہا ہم سب الاخوان المسلمون (مسلمان بھائی) ہیں۔ یوں یکایک

یہ نام زبانوں پر آ گیا اور اسی نام سے یہ جماعت متعارف ہوئی۔

تاسیسِ جماعت کے بعد حسن البنّاء ۵ سال تک اسماعیلیہ میں رہے اور اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں ان کی تبدیلی قاہرہ میں ہوگئی۔ اسماعیلیہ کے ۵ سال یہ جماعت نہایت خاموشی کے ساتھ کام کرتی رہی۔ مسجد اس جماعت کا مرکز تھی اور "پوری زندگی کو اسلام کے رنگ میں رنگ دو" اس جماعت کا مشن تھا۔

اسماعیلیہ کے علاوہ حسن البنا اور ان کے رفقاء نواحی آبادیوں میں بھی دعوت کی اشاعت کے لیے نکلتے۔ ہفتہ وار تعطیل میں اُن کا ہدف ملحقہ آبادیاں ہوتیں اور سالانہ تعطیلات میں دُور دراز مقامات۔ درس و تدریس اور وعظ و بحث اشاعتِ دعوت کے وسائل تھے۔ بعض مشایخ اور اہلِ کینہ نے حسن البنا کی تقریروں کو ہدفِ تنقید بنایا، مگر اس کے علی الرغم یہ خاموش سیلاب بہتا رہا۔ جماعت کے لوگ عوامی اجتماعات کی جگہوں میں درس دیتے۔ توحید و آخرت ان کا موضوع ہوتے۔ اختلافی مسائل سے پرہیز کرتے۔ عام ملکی حالات کا تجزیہ کیا جاتا۔ عوام کو داخلی اور خارجی خطرات کی جانب توجہ دلائی جاتی۔ ان کی دعوت سے متاثر ہونے والوں کی اکثریت محنت کاروں پر مشتمل تھی۔ حسن البنا کے الفاظ میں: "جماعت کے کارکنوں نے کوئی قصبہ اور بستی نہ چھوڑی جہاں وہ نہ پہنچے ہوں، مسجدوں میں، گھروں میں اور چوپالوں میں جا جا کر انہوں نے دعوت پھیلائی"۔ ان پانچ سالوں کی کارکردگی یہ ہے: دو سالوں کے اندر ابوصویر، پورٹ سعید اور بلاح کے مقامات پر شاخیں قائم ہوگئیں۔ تیسرے سال سویز میں بھی ایک مضبوط شاخ وجود میں آگئی۔ چوتھے سال دس شاخیں قائم ہوگئیں۔ اسماعیلیہ میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ کھولا گیا۔

امام حسن البنّا کے قاہرہ منتقل ہو جانے سے دعوت نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ اب تک تو یہ ایک ابتدائی کوشش تھی لیکن اس کے بعد یہ ایک ملک کی عظیم تنظیم کی حیثیت سے اُبھری۔ دوسرے لفظوں میں "الاخوان المسلمون" کا تعارف ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک کی شکل میں قاہرہ سے ہوا۔ اب ہم اخوان المسلمون کا جائزہ لینے کے لیے اُسے چند عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ طوالت سے دامن بچا کر اس تحریک کی دعوت اور اس کی خدمات اور اس کی سرگزشت سے اپنے

قارئین کو متعارف کرائیں۔ اگرچہ سچی بات یہ ہے کہ اتنی عظیم تحریک کو اتنے مختصر لفظوں میں پیش کرنا راقم السطور کے بس کی بات ہے اور نہ اس تحریک کے ساتھ انصاف۔ مختصر ترین لفظوں میں اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو صرف اتنا کہ ؎

سر داد و نداد دست بر دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

تحریکِ اخوان کے مراحل پہلا مرحلہ: ۱۹۲۹ء ۱۹۳۲ء۔ اس مرحلہ میں یہ دعوت ایک ہمہ گیر نظریہ کے قالب میں اُبھری۔ دوسرا مرحلہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک۔ اس مرحلہ میں اس دعوت نے برملا سیاسی میدان میں قدم رکھا، ایک مضبوط قوت کی حیثیت سے یہ حکومت کی نگاہ میں کھٹکنے لگی، اور آزمائشوں کے بادل اس کے سر پر گرجنے لگے۔ تیسرا مرحلہ ۱۹۴۵ء سے جولائی ۱۹۵۴ء تک۔ اس مرحلہ میں ایک طرف اخوان کی تحریک مصر کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور دوسری طرف اس پر تشدد و جبر کے سخت وار ہوئے۔ اس مرحلہ میں امام حسن البنّا کی شہادت ہوئی۔ استاذ حسن الہضیبی تحریک کے مُرشدِ عام منتخب ہوئے۔ ملک کے اندر فوجی انقلاب برپا ہوا۔ اور بالآخر انقلابی حکمرانوں کے ہاتھ اس جماعت کے خلافِ قانون قرار دینے اور اس کے رہنماؤں کو پھانسی کی سزائیں دینے پر یہ مرحلہ ختم ہوا۔

پہلا مرحلہ ۱۹۲۹ء - ۱۹۳۲ء

خاموش کام قاہرہ کے ابتدائی سالوں میں یہ دعوت حسبِ سابق خاموشی اور پردہ داری کے ساتھ جاری رہی۔ مسجدوں میں وعظ و تذکیر ہوتی۔ متأثرین اور حامیوں کو منظم کیا جاتا۔ شاخوں کی تاسیس ہوتی۔ قصبوں اور شہروں کے دورے ہوتے۔ ایک سال کے بعد (۱۹۳۴ء) میں امام حسن البنا نے ایک مضمون میں سالانہ کارکردگی کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھا: "اخوان کی دعوت اور نظریہ مصر کے ۵۰ سے زائد شہروں اور قصبوں تک پھیل گیا ہے۔ ان میں سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مفید اسکیم عمل میں آگئی ہے۔ مثلاً اسماعیلیہ میں اخوان نے ایک مسجد بنائی ہے، ایک کلب

بنایا ہے؛ بچوں کی تعلیم کے لیے حراء کے نام سے اور بچیوں کے لیے "امہات المومنین" کے نام سے مدرسے کھول دیئے ہیں۔ شبراخیت میں مسجد اور کلب، اور بچوں کا اسکول اور ایک دارالصناعت قائم ہو چکا ہے۔ جو بچے تعلیم مکمل نہیں کر سکتے وہ دارالصناعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محمودیہ میں کپڑے اور قالین بننے کی ایک فیکٹری انہوں نے کھول لی ہے۔ اور ساتھ ہی قرآنِ پاک کے حفظ و ناظرہ کی تعلیم کی درسگاہ قائم کر دی ہے۔ دفہلیہ میں بھی حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا مدرسہ جاری ہو گیا ہے۔ الغرض ادفو سے لے کر اسکندریہ تک ہر شاخ نے کوئی نہ کوئی نفع بخش اسکیم جاری کر لی ہے۔"

تعلیمی خدمات اور حکومت سے اصلاح کا مطالبہ | خود دعوت کے مزاج، اور اس پر ملک کے نو بہ نو مسائل نے تحریک کے دائرے کو وسیع کر دیا اور ثقافتی اور سیاسی امور بھی اُس کے منصوبے میں شامل ہو گئے۔ ثقافتی دائرے میں اخوان نے جو تعلیمی اور تربیتی اسکیمیں شروع کیں نہ صرف عوام کے اندر انہیں مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ حکومت بھی اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وزیراعظم محمد محمود پاشا نے اخوان کو ان علاقوں میں بھی مدارس کھولنے کا مشورہ دیا جہاں ان کے مدارس نہیں تھے۔ حسن البنّا نے اُسے ایک طویل خط میں توجہ دلائی:

> "مصری معاشرے کے اندر اخلاقی اقدار فنا ہو رہی ہیں، اخلاقی فضائل و محاسن افسوسناک حد تک پامال ہو چکے ہیں، ہر طرف سے ان کو تہ و بالا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، افراد اور خاندان، ابدان و اجسام ہر ایک بربادی کا نشانہ بن چکا ہے اور فوری اصلاح کا محتاج ہے۔ اصلاح کے لیے بھی متعدد وسائل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بنیادی وسائل یہ ہیں کہ تعلیم کے سرچشمہ کو درست کیا جائے، ملکی قانون میں مفید تبدیلیاں لائی جائیں، نوجوانوں کے فرصت کے اوقات کا بہتر مصرف پیدا کیا جائے اور منکرات کا سختی سے سدِّباب کیا جائے۔"

محمد محمود پاشا سے لے کر دوسری جنگِ عظیم کے آغاز تک جتنی وزارتیں ملک میں قائم ہوئیں،

امام حسن البنا نے ان کو جماعت کی طرف سے خطوط لکھے۔ ان خطوط میں داخلی اصلاحات تجویز کی گئیں، اجتماعی اور اقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں سے ملک کے حالات کو سُدھارنے کا مشورہ دیا گیا اور اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ محمد محمود پاشا کو انہوں نے جو خط لکھا اس میں شرح و بسط سے مصری قوم کی حالت بیان کی اور مصر جس جہالت، غربت، بیماری، اخلاقی انحطاط اور تعلیمی پستی میں مبتلا تھا اُس کی جانب وزیر اعظم کو توجہ دلائی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"اُن سب امراض کا علاج کتاب اللہ کی تعلیمات ہیں . . . . اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ ملک کے اندر انگریز بیٹھا ہے، تو یہ بے بنیاد عذر ہے۔ انگریز کو ہمارے داخلی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر یہ دلیل دی جائے کہ یہاں لاکھوں غیر ملکی رہتے ہیں، تو یہ دلیل بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ہم بات چیت سے ان کو سمجھا سکتے ہیں۔ وہ خود دیکھ لیں گے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کس طرح ان کے حقوق کی ضمانت دیتے ہیں اور اُن کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی بات ہم غیر مسلموں سے کہیں گے۔ انہیں ہماری تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ ہم نے کس طرح اُن سے عدل و انصاف برتا۔ اصل روڑا خود مصری لیڈر ہیں۔ وہ اسلام کی اصل دعوت و مزاج سے ناواقف ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ خود عقیدۂ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کی طرف رجوع کریں۔ . . . مصر میں الحاد کی بیماری ترکی سے آئی ہے۔ اس لیے ہم محمد محمود پاشا کی حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کلمۂ اسلام کو بلند کرے اور اُسے اپنا شعار بنائے۔"

مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو دعوت | اخوان المسلمین کا وہ خط سب سے اہم ہے جو انہوں نے ۱۹۳۶ء میں شاہ مصر فاروق، مصر کے وزیر اعظم مصطفیٰ نحاس پاشا اور عرب اور مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو لکھا ہے۔ اس خط کا عنوان ہے "روشنی کا پیغام"۔ یہ خط اس وقت ہمارے سامنے ہے اور چھوٹے سائز کے ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس خط میں انہوں نے بڑے ایجاز و بلاغت سے پہلے اسلام کے اصول و مبادی اور اسلامی تہذیب و تمدن پر روشنی ڈالی ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ اس

قدر عظیم نظریۂ حیات کی موجودگی میں مغربی طرزِ زندگی اور طرزِ تمدن و معاشرت کو اپنانا بہت بڑا خسارہ ہے۔ اس ابتدائی بحث کے بعد اسلامی نظریۂ حیات اور مغربی نظریۂ زندگی کا موازنہ کیا گیا ہے اور دونوں راستوں کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اسلام ہر پہلو سے خواہ عسکری تنظیم ہو یا صحت و تعلیم، اقتصادی اور معاشرتی اصلاحات ہوں یا ملکی قوانین، ملتِ اسلامیہ کی ترقی و خوشحالی کا ضامن ہے۔ آخر میں پچاس شقوں پر مشتمل اصلاحی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے دس سیاسی، عدالتی اور ملکی نظم و نسق سے متعلق ہیں۔ تیس معاشرتی اور تعلیمی امور سے متعلق، اور دس اقتصادی مسائل سے متعلق۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تجاویز کی تیاری میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ ان پر ایک نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مرتب کرنے والے محض نظری اور کتابی علماء نہیں ہیں، بلکہ وہ ماہرین ہیں جو ملک کے مسائل سے براہِ راست عملاً رابطہ رکھتے ہیں۔ یہ تجاویز اگرچہ آج سے ۳۰ برس پہلے مرتب کی گئی ہیں مگر آج ۳۰ برس گزر جانے کے بعد بھی تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس خط کا خاتمہ ان لفظوں پر ہوتا ہے: "ہم اپنی تمام تر خدمات اور صلاحیتیں اور وسائل ہر اُس حکومت کے تصرف میں دینے کے لیے تیار ہیں جو امتِ اسلامیہ کو ترقی اور فلاح سے ہمکنار کرنے کا عزم کرے۔ ہم اس کی ہر پکار پر لبیک کہیں گے اور ہر قربانی دینے کے لیے مستعد رہیں گے۔"

۱۹۳۸ء میں شاہ مصر کو ایک خط لکھا اور سیاسی پارٹیوں نے ملک کے اندر جو افراتفری برپا کر رکھی تھی اس کی شکایت کی۔ امیر عمر طوسن اور امیر محمد علی توفیق کو بھی اسی موضوع کا خط لکھا۔ اخوان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت جتنی سیاسی پارٹیاں ہیں وہ خود ساختہ ہیں۔ عوام کی نمائندہ نہیں ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ تمام محبِ وطن عناصر صحیح اسلامی نصب العین پر متحد ہوں اور اُسے پوری طاقت اور محنت سے بروئے کار لائیں۔ ۱۹۳۸ء میں وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو ایک طویل یادداشت پیش کی جس میں وزیر قانون سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ "پچاس سال تک غیر اسلامی قوانین کو آزمایا گیا ہے اور وہ سخت ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔" اس خط میں اسلامی قوانین کی صلاحیت و برتری پر خود اہلِ مغرب کی شہادتیں بھی پیش کی گئیں۔

جب مصطفیٰ نحاس پاشا ۱۹۳۸ء میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر بیٹھے تو اخوان نے انہیں بھی ایک یادداشت پیش کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ مصر کی خارجہ پالیسی اسلامی ممالک سے دوستی کے اصولوں پر استوار ہونی چاہیے اور اس کے پیشِ نظر اتحادِ اسلامی کا قیام ہو۔ ۱۹۳۹ء میں نحاس پاشا کو ایک اور خط لکھا گیا اور مشورہ دیا گیا کہ وفد پارٹی ـــ جس کے سربراہ نحاس پاشا تھے ـــ کے ممبروں کی زندگی اسلام کا صحیح نمونہ ہونی چاہیے اور وفد پارٹی اپنا منشور اسلامی اصولوں کی روشنی میں وضع کرے۔ اس منشور میں مقننہ کے نظام میں اصلاح اور شہری اور شرعی عدالتوں کی تفریق کا خاتمہ اور تمام عدالتوں میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا پروگرام ہو۔ نیز تعلیمی نظام میں اصلاح اور شہری اور شرعی عدالتوں کی تفریق کا خاتمہ اور تمام عدالتوں میں اسلامی شریعت کے نفاذ کا پروگرام ہو۔ نیز تعلیمی نظام میں اصلاحات کی جائیں، ہر صحت مند شہری کو فوجی ٹریننگ دی جائے، منکرات کا سدِباب کیا جائے، اقتصادی پالیسی کو تبدیل کیا جائے۔ تقلیدِ یورپ کے رجحانات کو روکا جائے۔ سرکاری نظم و نسق کا بگاڑ درست کیا جائے۔ ان تمام رسائل کا مرکزی موضوع یہ تھا کہ مصر کے اندر اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ عرب ممالک میں ان رسائل کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ شمالی افریقہ، سوڈان، شام، فلسطین اور اُردن میں ان رسائل کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ ان رسائل نے اسلامی عناصر کے احساسات بیدار کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔

اخوان نے صرف خطوط لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ مصری حکمرانوں کو نصیحت و تفہیم کے جو بہتر سے بہتر ذرائع ہو سکتے تھے استعمال کیے۔ ۱۹۴۶ء میں حسن البنا نحاس پاشا سے ملے۔ اس وقت نسیم پاشا وزیراعظم تھے۔ اخوان نے نسیم پاشا کی حکومت سے مصری مدارس کے اندر دینی تعلیم کو رائج کرنے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ حسن البنا نے نحاس پاشا کو بھی مطالبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور ملک کے نامور سیاست دان ہونے کی حیثیت سے اس مطالبہ کے لیے ان کی تائید بھی حاصل کی۔ نحاس پاشا حسن البنا سے اس قدر متاثر تھے کہ خود حسن البنا کے بقول" وہ انہیں یعنی

حسن البنا کو ۔۔۔ وفد پارٹی کا ایک رہنما سمجھا کرتے تھے "۔

غیر اسلامی حکومتوں کے بارے میں اخوان کا موقف حکومت کو راہِ راست پر لانے کے لیے اخوان نے جو کوششیں کیں اُن کے سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس عرصہ میں مصر میں یکے بعد دیگرے جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، خواہ وہ دستور پارٹی کی تھیں یا وفد پارٹی کی یا آزاد، اخوان نے اُن کی تائید نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان سے الگ رہے۔ اخوان کا اس سلسلہ میں یہ اصول تھا کہ "جو حکومت سراسر غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہو اُس سے کسی بھلائی کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ کسی تائید اور حمایت کی مستحق نہیں ہے"۔ لیکن چونکہ حکمران مسلمان تھے اور اسلام کا انہوں نے کھلا کھلا انکار نہیں کیا تھا، اس لیے اخوان نے ہر حکومت سے اصلاحات کا مطالبہ کیا اور ملک کے اندر مکمل اسلامی نظام رائج کرنے کی اپیل ان سے کرتے رہے۔ اس کے ساتھ وہ قانون کے پابند رہے۔ انہوں نے کبھی تشدد اور قوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اگر کسی وقت حکومت نے اُن کے مطالبے کو صدق دل سے قبول کرنے کا اظہار کیا تو انہوں نے اُس کی تائید میں بخل سے بھی کام نہیں لیا۔

(باقی)